© rasailojaraid.com

شورش کاشمیری مرحوم

اس کی باتوں میں گلوں کی خوشبو

شاہ جی خود ایک بڑے آدمی تھے۔ لیکن اپنے عہد کے بڑے آدمیوں سے انکی مطلق خط و کتابت نہ تھی۔ فرماتے انسانی سوسائٹی میں سب فتنے تحریر سے پیدا ہوتے ہیں۔ تلواروں نے انسانوں کے جسموں کو قتل کیا۔ لیکن قلموں نے انسانوں کی روحیں فنا کر ڈالی ہیں۔ اس معاملہ میں ان سے زیادہ بے نیاز آدمی میں نے نہیں دیکھا۔ جن دنوں میں ان کی سوانح عمری لکھ رہا تھا۔ انہوں نے مجھ سے ذرہ برابر تعاون نہیں کیا۔ بلکہ جب میں سوانح عمری مکمل کر کے ان کے خاندانی حالات کا باب سنانے کے لئے حاضر ہوا تو فرمایا، چھوڑو اس کو، کس راہ پر پڑ گئے ہو؟ صاف انکار کر دیا۔ ان کی بے نیازی معراج کمال پر تھی وہ کسی کو اپنی فوٹو کھینچنے نہیں دیتے تھے اور کھنچوانے کا تو سوال ہی خارج از بحث تھا انکا ایک فوٹو شاید کسی طرح کی اجازت سے کھینچ گیا ہے تاہم باقی تمام تصویریں ان کی منشاء مرضی اور ارادے کے خلاف ہیں اور فوٹو گرافروں کی اپنی ہوشیاری کا نتیجہ، ان کی بعض تصویریں "چٹان" کے فوٹو گرافروں کی حاصل کردہ ہیں۔ جو انہیں گفتگو میں مصروف رکھ کر بنائی گئی ہیں۔ راقم الحروف کی تحریر کردہ سوانح عمری میں انکی جو تصویر ہے، کتاب کا پہلا نسخہ ان کے ہاں پہنچا تو کسی معتقد یا بزرگ نے اعتراض نما سوال کیا۔ تصویر پھاڑ کر اس کے حوالے کر دی۔ اور کہا اس کو جوتے مارو ضرور مارو۔ سوچتے کیا ہو؟ یہ بے نفسی اب کہاں؟ اور اس استغنا کے نمونے کوئی کہاں سے لا سکتا ہے؟

فی الحقیقت وہ ایک عہد، ایک ادارہ، ایک انجمن، اور ایک تاریخ تھے۔ گفتگو طرازی میں ان کا مثیل ملنا مشکل ہے وہ خاص صحبتوں میں بالکل ایک ادیب، ایک فقیر، ایک شاعر، ایک درویش، ایک متکلم، ایک صوفی، ایک نقاد، ایک عالم اور ایک دوست ہوتے تھے۔ ان میں سے جس تار کو بھی چھیڑ لو وہی نغمے پھوٹنے لگتے۔ پھر گلفشانیٔ گفتار بہار کی طرح پھیلتی چلی جاتی تھی۔ ایک نقص یہ ضرور تھا کہ اپنی گفتگو لکھنے نہیں دیتے تھے۔ ورنہ انہوں نے تمام زندگی الفاظ و تراکیب کے اتنے انبار لگائے اور لطائف و ظرائف کے اتنے موتی بکھیرے ہیں کہ ایک شاہکار دماغ ہی سے اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ پھر حکمتوں اور بذلہ سنجیوں میں تو وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا ارشاد تھا کہ "شاہ جی کی باتیں عطاء اللّٰہی ہوتی ہیں"۔

O۔ شاہ جی کی ساری زندگی سیاسیات کے چکر میں بسر ہوئی۔ گو عمر کا غالب حصہ دین ہی کی خدمت میں گزار اگر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سیاسیات سے دستبردار ہونے کی خواہش کے باوجود ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک اپنے آپ کو سیاسیات سے الگ نہ کر سکے۔ لیکن مسجد شہید گنج کے انہدام کے بعد ان کا یہ عقیدہ پختہ ہو چکا تھا کہ سیاست کا مطلب فتنہ پروری اور فتنہ انگیزی ہے۔ فرماتے سارے قرآن میں پالیٹکس کے مفہوم میں سیاست کا لفظ نہیں ہے؟۔ اس کے معنی ہی مکر کے ہیں۔ اور فرنگی مقامروں کی ایجاد ہے۔ جس کا مطلب ہی فریب دہی ہے۔ سیاستیں کے وعدے پورا ہونے کے لئے نہیں کئے جاتے بلکہ ٹالنے کے لئے کئے جاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

O۔ حضرت حسینؓ کی شہادت پر کبھی تقریر نہیں فرمائی۔ ان جیسا لسان جو خطابت کے سحر سے وقت کو گوش بر آواز کر لیتا تھا سانحہ کربلا پر بولنے سے طرح دیتا رہا۔ کئی دفعہ دوستوں نے اصرار کیا کہ عاشورہ کے دنوں میں سانحہ کربلا پر تقریر فرمایئے۔ انکار ہی کرتے رہے۔ ایک دن میں نے سبب پوچھا تو کہا کس طرح بیان کروں؟ کہ نانا کا کلمہ پڑھنے والوں کے ہاتھوں نواسوں پر کیا بیتی؟ مجھ میں حوصلہ نہیں کہ اس سانحہ کو بیان کر سکوں۔ اپنے اندر طاقت نہیں پاتا البتہ اُپنے حال پر غور کر کے دل کو تسلی دے لیتا ہوں کہ مسلمانوں کی "پرانی ریت" ہے۔

O۔ جن دنوں بعض سیاسیئن کی بدولت مدح صحابہ اور تبرا ایجی ٹیشنکا زور بندھا ہوا تھا شاہ جی نے دہلی دروازہ کے باہر ایک عظیم الشان جلسہ کو خطاب کیا اور فرمایا قدح صحابہ کرنے والو! خدا کے خوف سے ڈرو" اتنے میں کسی نے دور کونے سے آواز دی۔

"شاہ جی! خدا کا خوف کریں۔ سید ہو کر خلافت کے غاصبوں (معاذاللہ) کی مدح کرتے ہو"۔

بس یہ ایک جملہ بخاری کو جلال پر لے گیا۔ فرمایا کیا کہتے ہو؟ میں علی کا بیٹا ہوں اور صدیق، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کی مدح کرتا ہوں پہلے بھی کرتا رہا ہوں اور آئندہ بھی کرتا رہوں گا تم کون ہو؟

ہائے وہ لوگ جنہیں رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں جگہ ملی ہو تم انہیں گالی دیتے ہو۔ ظالمو! حشر کے دن آقا کو کیا جواب دو گے؟ پھر اس کے بعد خلفائے راشدین کے فضائل و مناقب پر وہ تقریر کی کہ جیسے شہپر جبریل ان کی خطابت کا ہالہ کئے ہوئے تھے۔

O۔ کسی شیعہ نے سوال کیا "علیؓ اور عمرؓ میں کیا فرق ہے۔ فرمایا۔ بڑا فرق ہے علیؓ مرید تھے عمرؓ مراد۔ حضور ﷺ نے خود ان کی آرزو کی۔ اور اللہ سے دعا مانگی تھی۔ فرمایا میں علیؓ کا بیٹا ہوں نفس میرا بھی چاہتا ہے کہ سب کچھ انہیں کی جھولی میں ڈال دوں مگر عمرؓ چھوڑتے نہیں وہ خود منواتے ہیں عمرؓ کو نکال دو اور سوچو کہ تاریخ اسلام میں رہ کیا جاتا ہے؟

O۔ اسی شخص نے پوچھا حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ میں کیا فرق ہے۔ فرمایا خدیجہؓ کا نکاح محمد بن عبداللہ سے ہوا تھا عائشہ کا عقد محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے۔ وہ محمد ﷺ کی زوجہ بنیں یہ نبوت کی۔ یہ گویا ایک ناقص سوال کا شگفتہ جواب۔ لیکن ان لوگوں کے لئے مسکت جواب تھا جو ازواج مطہرات میں بھی تفاوت کے حاشیئے باندھتے ہیں۔

O۔ انہیں صاحب نے لگے ہاتھوں یہ سوال بھی کیا کہ حضرت فاطمتہ الزاہراؓ اور ان کی دوسری صاحبزادیوں، رقیہ، ام کلثوم اور زینب (رضی اللہ عنہم) میں کیا فرق ہے؟ فرمایا فاطمہؓ نبوت سے بعد کی بیٹی ہیں اور باقی نبوت سے پہلے کی بیٹیاں تھیں۔ (مطلب یہ ہے کہ جو چیز سرے سے مسئلہ ہی نہیں ہیں انہیں سوال کی صورت دینا بے سود تھا۔ تاہم "غنچہ طرازوں" کو کس بانکپن سے جواب دیتے تھے)

O۔ صاحبزادہ فیض الحسن شاہ ایک زمانے میں جماعت احرار کے اکابرین میں سے تھے۔ آجکل بریلوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقائد کے مبلغ ہیں۔ اور نوری و خاکی کے چکر میں محصور۔ کسی نے سوال کیا شاہ جی صاحبزادہ صاحب آپ کو کیوں چھوڑ گئے۔ فرمایا:

"بھائی وہ نوری ہیں ہم خاکی۔ ان نوریوں سے وفا کی امید ہی کیا۔ سب سے بڑے نوری (جبرئیل علیہ السلام) میرے نانا کو راستہ میں (شب معراج) چھوڑ گئے تھے۔ حضور نے کہا آگے چلو، کہا اس سے آگے پر جل جائیں گے نتیجۃً نوری رہ گیا خاکی آگے نکل گیا"

ہائے نہ ہوا بخاری، میاں ﷺ کا حکم مان لیتا خواہ پر ہی جل جاتے میاں کی اطاعت اور آقا کی دہلیز پر تو جلتے۔ اس سے بہتر کون سا موقع تھا۔

چوں رسی بکوئے دلبر بسپار جان مضطر
کہ مبادا یار دیگر برسد بدیں تمنا

O۔ درگاہ امام ناصر جالندھر کے جلسے میں کسی نے اس وقت کا اخلاقی مسئلہ "زیارت قبور" چھیڑ دیا۔ مخالفوں نے شاہ جی کے بارے میں مشہور کر رکھا تھا کہ وہابی ہیں۔ سوال کیا گیا کہ آپ کا زیارت قبور کے بارے میں کیا سوال ہے۔ فرمایا

"اپنے اپنے ظرف اور ذہن کی بات ہے۔ کچھ لوگ انگور نعمت خداوندی سمجھ کر کھاتے ہیں کچھ اس میں سے شراب نکالتے اور عقل کی بازی بدتے ہیں۔ میں بھی اس مزار کی زیارت کر کے آیا ہوں اور تم بھی زیارت کرتے ہو۔ میں خدا کے فضل و کرم سے کچھ لے کر آیا ہوں اور تم ایمان میں سے کچھ دے کر آتے ہو"

سبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا

O۔ سیرت کے ایک جلسہ میں فرمایا یہ بڑا نازک مضمون ہے۔ سیاسی تقریر ہو ایک آدھ جملہ نیچے اوپر یا ادھر ادھر ہو جائے تو ڈر نہیں لگتا۔ زیادہ سے زیادہ قید ہو جاتی ہے۔ سال دو سال پانچ سال لیکن سیرت یا حدیث کے مضمون پر بولتے ہوئے ایک آدھ جملہ بھی کم و بیش ہو جائے تو ایمان کا ضیاع ہے اور دوزخ کی آگ۔ اس میدان میں بخاری بزدل ہے جہنم کے قید خانے کی تاب اس میں نہیں ہے۔

O۔ حضور ﷺ کی بشریت کے منکرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"بھائی لوگو! آپ کے کبوتروں کی بھی نسل ہو، اور بٹیروں کی بھی۔ لیکن ایک ہم سید ہی ایسے ہیں کہ جن کی نسل نہیں، حضور ﷺ کو تم بشر نہیں مانتے ہو۔ تو پھر ہم کس کی اولاد ہوئے؟ وہ بشر ہیں مگر ہماری طرح نہیں بلکہ افضل البشر ہیں۔ وہ اپنے قول و عمل اور سیرت و کردار کے حوالے سے سراپا نور ہیں"۔

O۔ فرمایا۔ "علماء اسلام کی پولیس ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ قانون کا احترام کرائیں۔ اہل حال بزرگوں کو جو کچھ کہنا ہے اپنے تک محدود رکھیں۔ اگر وہ کھلم کھلا قانون اسلام کی خلاف ورزی کر کے مرتکب ہوں گے تو ہم انہیں پکڑ لیں گے۔ خواہ عدالت میں چھوٹ ہی جائیں"۔ (بحوالہ مولانا قاری محمد طیب رحمہا اللہ)

O۔ کسی نے سوال کیا۔ شاہ جی یہ مردے سنتے ہیں کہ نہیں؟ فرمایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"سنتے ہوں گے جن کی سنتے ہوں گے ہماری تو زندہ بھی نہیں سنتے ہیں"۔

حاضرین ہنس پڑے مسئلہ ختم ہو گیا۔

O۔ موری دروازے کے باہر کندن شاہ کا تکیہ ہے جسے عام لوگ گھدو شاہ کہتے ہیں اس سے پیوست کبھی ایک باغ تھا۔ جہاں کانگرس کے جلسے ہوتے تھے۔ سائمن کمیشن کے زمانے میں شاہ جی نے یہاں ایک تقریر کی۔ سرکاری لوگوں نے اس تکیئے کے چرسیوں، بھنگیوں اور سلفہ بازوں کو رنگ میں بھنگ ڈالنے کے لئے اکسایا۔ وہ سلفہ کا کش کھینچ کر یا علی مدد کے نعرے لگانے لگے۔ شاہ جی نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

"او چرسیو! یہ غلاظت پی کر میرے باپ علیؓ کا نعرہ کیوں لگاتے ہو؟ کیا تمہارے باپ دادا نہیں ہیں؟"۔ (کیا بات کس شگفتگی سے کہی ہے)

O۔ ایک وکیل نے رمضان کے دنوں میں شاہ جی سے بزعم خویش مذاق کرتے ہوئے کہا حضرت! علماء تعبیر و تاویل میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں کوئی ایسا نسخہ تجویز فرمائیے کہ آدمی کھاتا پیتا رہے اور روزہ بھی نہ ٹوٹے۔ فرمایا سہل ہے قلم و کاغذ لے کر لکھو!

"ایسا مرد چاہیئے جو اس وکیل صاحب کو صبح صادق سے مغرب تک جوتے مارتا جائے یہ جوتے کھاتے جائیں اور غصے کو پیتے جائیں اسی طرح کھاتے جائیں اور پیتے جائیں"۔

فرمایا۔ جاؤ اس طرح کھاتے پیتے رہو روزہ کبھی نہ ٹوٹے گا۔

O۔ اسلامیہ کالج کے طلبہ نے کہا شاہ جی کالج میں ڈاڑھی رکھ کر جانا مشکل ہے۔

فرمایا۔ "ہاں بھائی اسلامیہ کالج میں مشکل ہے خالصہ کالج میں آسان ہے"۔

O۔ مسلم کانفرنس کے ٹوڈیوں کا زمانہ تھا کسی تحریک میں لوگ جیل جا رہے تھے شاہ جی مولانا ظفر علی خاں کی صدارت میں تقریر کر رہے تھے۔ "زمیندار" کی ضبطی پر چندہ کی فراہمی کا ذکر آ گیا۔ ایک شخص نے دور سے کہا "یہ چندہ کھا جاتے ہیں"۔

فرمایا بھائی چندہ ہی کھاتے ہیں سور تو نہیں کھاتے اور مجمع زعفران زار ہو گیا۔ پھر فرمایا:

"ان تنظیموں کو چندہ دو یہ لوگ قربانی کے بکرے ہیں۔ کھائیں گے تو جیل جائیں گے، پھانسی پر چڑھیں گے۔ قربانی کے بکروں کو بھوکا مارنا چاہتے ہو"۔

O۔ کسی نے کہا شاہ جی مجلس کے بعض لوگ اب لیگ میں چلے گئے ہیں یعنی اس سے تعاون فرما رہے ہیں۔ فرمایا ہاں بھائی کچھ حسینؓ کے پیروکار تھے کربلا میں ذبح ہو گئے کچھ حسنؓ کے پیرو ہیں انہوں نے صلح و آشتی کی راہ اختیار کی دونوں کے اسوۂ حسنہ کی پیروی ہو گئی۔

O۔ پاکستان بن جانے کے فوراً بعد راولپنڈی میں کسی دینی جماعت کا ایک جلسہ تھا۔ شاہ جی بھی مدعو تھے۔ راجہ غضنفر علی خاں تب وزیر تھے۔ اور جلسہ کے صدر۔ انہوں نے شاہ جی کو دعوت تقریر دیتے ہوئے کہا کہ شاہ جی جس لیگ کے مخالف تھے۔ اسی لیگ نے انہیں پناہ دی۔

ظاہر ہے یہ طنزیہ جملہ تھا۔ شاہ جی نے اٹھتے ہی جواب دیا۔ ہاں بھائی یہ پناہ آج سے نہیں مل رہی۔ اس کی بڑی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لمبی تاریخ ہے۔ میرے ابا کو بھی پٹنے کے بعد تمہارے ابا کے گھر میں پناہ ملی تھی۔ اور مجمع پر یکایک سناٹا چھا گیا۔

O۔ فرمایا۔ ہمارے ہاں نوجوانوں کا عجیب مزاج ہوگیا ہے بلکہ فطرت۔ جو لڑکا میٹرک میں فیل ہوتا ہے۔ باٹا شو کمپنی میں سیلزمین ہوجاتا ہے یا سی آئی ڈی کے ملائکہ مقدسین کا انفارمر بن کر ٹاپتا پھرتا ہے۔

O۔ تحفظ ختم نبوت کی تحریک کے دنوں میں سندھ کی کسی جیل میں محبوس تھے۔ ایک بہت بڑا سرکاری افسر ملنے کے لئے گیا۔ باتوں باتوں میں کہنے لگا شاہ جی اب اسلامی حکومت ہے پہلے جیل جاتے تھے تو لوگ قدر کرتے تھے اب تو وہ دن نہیں رہے۔ لوگ بھول جائیں گے۔ چھوڑیئے اس قضیہ کو باہر آکر کوئی اور کام کیجئے۔

فرمایا۔ "ٹھیک ہے بھائی لیکن میں کبھی لوگوں کے لئے جیل نہیں گیا۔ میں تو اسلام اور آزادی کے لئے جیل جاتا رہا ہوں۔ رہا اسلامی حکومت کا سوال تو مجھے تم سے اتفاق ہے۔ مگر یہ نہ بھولو کہ اسلامی حکومتوں میں کچھ لوگ جیل میں رہا کرتے ہیں اور کچھ لوگ تخت پر۔ کچھ گوالیار کے قلعہ میں کچھ دہلی کے قلعہ میں۔

O۔ کسی نے ایک بڑی گدی کے سالانہ عرس میں سوال کیا۔ مزاروں کے بارے میں کیا رائے ہے۔ فرمایا۔ میں اس سوال کی بنیاد کو سمجھتا ہوں بہرحال ایک مزار اقدس میرے آقا میرے ہادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ طیبہ میں بن چکا ہے اب دوسرا مزار میرے نزدیک شرک فی النبوۃ ہے۔

شاہ جی کے دوست۔ الاّ

فرماتے ہیں ہر شخص کو اپنا دوست سمجھتا ہوں الاّ فرزندان سلطنت برطانیہ اور سارقان ختم نبوت، جو ان کا ساتھی ہے وہ میرا ساتھی نہیں اور جو میرا ساتھی ہے وہ ان کا ساتھی نہیں؟ یہ ممکن نہیں۔ عیب بینی میری فطرت کے خلاف ہے جو لوگ دوسروں کے عیب تلاش کرتے ہیں وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتے ہیں۔ میں اپنے بدترین دشمن کے بارے میں بھی یہ سوچنا گناہ سمجھتا ہوں کہ اس کے ننگ و ناموس پر حملہ کیا جائے یا اس کے عیبوں کی رسوائی ہو۔ میں دعا دے سکتا ہوں اور دعا دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ گمراہوں کو راہ راست پر لائیں اور جو معصیت کی آلودگیوں سے دوچار ہیں ان کا خاتمہ ایمان پر ہو۔ رب کعبہ کی قسم میرے دل میں کسی شخص کے لئے ذاتی انتقام کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

اُن کے دوستوں کی فہرست تیار ہو تو صرف ناموں کا دفتر ہی طلسم ہوشربا کی ضخامت سے بڑھ جاتا ہے۔ ان کی جماعت میں رہا، ان کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھا، ان کے ساتھ کا قیدی تھا یا انکی تحریک و تنظیم کا جزو رہا۔ برصغیر کا وہ کون سا شہر قریہ یا تحصیل ہوگی جہاں وہ پہنچے نہیں یا جہاں ان کے دوستوں کا حلقہ نہ تھا۔ راقم الحروف جب ان سے ملا پھر جب تک ساتھ رہا اس اثناء میں ان کے جو جو دوست سامنے آتے رہے ان میں جماعت کے رفقاء تو تھے ہی اور وہ ان پر جان چھڑکتے تھے مگر جماعت سے باہر وہ جن کا ذکر فرماتے یا اُن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ذکر میں ڈوب ڈوب جاتے ان کے کئی حلقے تھے۔ مثلاً ان کے ادبی دوستوں کا ایک حلقہ تھا۔ اپنے بچپنے یا چھٹپنے کا ذکر کرتے وقت شاد عظیم آبادی کا نام بڑے احترام سے لیتے اور ان کے سینکڑوں شعر انہیں ازبر تھے۔ مولانا ظفر علی خاں سے جب سیاسی اختلافات کا نقطہ عروج پر تھا تو ان کی ادبی عظمتوں کو جاندار الفاظ میں سراہتے اور فرماتے میں نے آج تک اتنا بڑا بدیہہ گو نہیں دیکھا۔ تحریک تحفظ ختم نبوت کے آخری جلسہ عام میں مولانا اختر علی خاں مرحوم، مولانا ظفر علی خاں کو ساتھ لے کر آئے تھے تو اس وقت ان کے (مولانا ظفر علی خاں) ہاتھوں میں رعشہ کا زور تھا اور وہ اچھی طرح بول بھی نہیں سکتے تھے۔ بلکہ ان کی آواز کے الفاظ بھی کبھی کے ٹوٹ چکے تھے۔ شاہ جی نے دونوں ہاتھوں سے مولانا ظفر علی خاں کے گالوں کو بھینچا اور یہ کہہ کر خیر مقدم کیا۔ ظفر علی خاں تیرے ستارہ صبح نے میرے جگر میں آگ لگا دی تھی۔ شاہ جی کو مولانا کے بے شمار اشعار یاد تھے۔ ان میں اکثر غیر مطبوعہ تھے اور وہ بڑے مزے سے لہک لہک کر پڑھا کرتے تھے۔ علامہ اقبال نور اللہ مرقدہ سے شاہ جی کا فکری و ادبی رشتہ تھا۔ شاہ جی انہیں یا مرشد کہہ کر مخاطب کرتے اور حضرت علامہ ٹھیٹھ پنجابی میں او پیرا کھہ کر اظہار محبت فرماتے تھے۔ حضرت علامہ ان سے اپنا تازہ کلام پڑھواتے اور ان کی آواز خوش سے دل خوش ہوتے تھے۔ حفیظ جالندھری بھی ان کے شیدائی تھے اور وہ بھی حفیظ کو بڑے خلوص سے یاد کرتے ان کی غزلوں کے منتخب اشعار بھی نوک زبان تھے۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، احمد شاہ بخاری (پطرس مرحوم) عبدالمجید سالک (بٹالوی)، محمد دین تاثیر ان کے جگری دوستوں میں سے تھے۔ چراغ حسن حسرت سیاسی طور پر ان کے ہم خیال تھے۔ ان کے مذاق شعر کے انتہائی قدرداں۔ ان کا خیال تھا کہ حسرت بامحاورہ اردو لکھنے میں بعض اہل زبان کو بھی پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ ملحدوں کا ادب وہ بالکل نہیں پڑھتے تھے۔ انہیں نئی پود کی معریٰ شاعری اور آزاد نظم میں گمراہیوں کا ایک انبار نظر آتا ہے۔ فرماتے ہیں اس دفتر بے برگ و گیاہ میں شاعری نہیں۔ باقی سب کچھ ہے۔ وہ اسے ابہام سے بھی زیادہ اہمال کی پیداوار قرار دیتے تھے۔ اس سے متعلق ان کے برجستہ فقرے بجائے خود ایک نظم ہوتے تھے۔ مجید لاہوری ان فقروں کو بسا اوقات نظم کر دیتے۔ مرحوم سے انہیں بے حد پیار تھا۔ جب ان کے انتقال کی خبر پہنچی تو بڑی دیر تک گم سم رہے۔ ان کا یہ شعار تھا کہ ساتھیوں اور دوستوں کی موت پر ایک لمبی چپ سادھ لیتے تھے۔ دل شکنی کو مذہباً حرام سمجھتے تھے۔ ان کے ہاں مبتدی شعراء بھی حاضر ہو کر اپنا کلام سناتے اور داد پاتے تھے۔ نوجوان شعراء میں وہ فیض کے قائل، ساحر لدھیانوی کے مداح اور سیف الدین سیف کے دعا گو تھے۔ علامہ انور صابری کی بدیہہ گوئی کو بے حد سراہتے اور اس کی آواز کی دلکشی کے معترف تھے۔ غرض ان کی صحبتوں میں رہ کر کوئی سا شاعر یا ادیب مایوس نہ ہوتا تھا۔ وہ ہر شخص میں صرف خوبی ہی دیکھتے اور اس کا دل بڑھاتے تھے۔ خود ان کے ذوق شعری کا یہ عالم تھا کہ ہر بڑے شاعر کے تیرو نشتر حافظے میں تھے۔ پڑھنے پر آتے تو راتیں بسر ہو جاتیں۔ پھر اس لحن کے ساتھ پڑھتے کہ جادو کرتے چلے جاتے تھے۔ بڑے بڑوں کو ان کے سامنے چُونی لگ جاتی اور چوکڑی بھول جاتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک دفعہ راقم الحروف کی تاثیر مرحوم سے چھڑ گئی راقم روزنامہ "آزاد" کا ایڈیٹر تھا اور "آزاد" جماعت احرار کا آرگن۔ تاثیر مرحوم دوستوں سے "دغا" کرتے وقت نہیں چوکتے تھے۔ انہوں نے "سول اینڈ ملٹری گزٹ" میں "پاکستان مبارک" کے زیر عنوان ڈاکٹر حجازی کے قلمی نام سے ایک سلسلہ مضمون لکھا جس میں احرار کو بھی مطعون کیا۔ راقم کو یہ دوغلہ پن ناگوار گزرا بلکہ حیرت ہوئی کہ ایک ہی روز پہلے جو شخص ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا گیا ہے اب کس داؤ پر ہے۔ راقم نے آڑے ہاتھوں لیا۔ ایک سخت قسم کی ظالمانہ نظم لکھی۔ تاثیر تو چاروں شانے چت ہوگئے۔ مگر شاہ جی بگڑ گئے۔ "تم نے یہ نظم کیوں لکھی؟" "تاثیر میرا دوست ہے" صورت حال بیان کی تو فرمایا کوئی بات نہیں اس سے پہلے ہمارا گوشت کون کون نہیں کھاتا رہا۔ دشمنوں نے بھی کھایا ہے تو دوست بھی کھالیں۔ تاثیر آخر دوست ہے تم کس کس کا دامن پھاڑو گے؟

دوسرا گروہ ان کے سیاسی دوستوں یا جماعتی احباب کا تھا جماعت میں تو وہ مرکزی وجود تھے۔ جماعت سے باہر ان کے تعلقات کا دائرہ ایک لحاظ سے وسیع تھا اور ایک لحاظ سے مختصر۔ وسیع اس طرح کہ ملک کا ایک ایک لیڈر، کارکن، رضاکار، ہمدرد، سامع انہیں جانتا اور آسانی سے ان کے قریب آجاتا تھا۔ لیکن مختصر اس لئے کہ وہ "یارانہ" گھانٹھنے کے عادی نہ تھے۔ گاندھی جی کو میں نے اپنی آنکھوں سے ان کا احترام کرتے دیکھا ہے۔ جواہر لال نے (آزادی سے پہلے) کئی دفعہ کہلا بھیجا کہ وہ ملنا چاہتے ہیں مگر گئے نہیں آخر وہی انہیں ملنے کے لئے کناٹ پیلس کی ایک دکان میں جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے آئے اور گھنٹہ بھر باتیں کرتے رہے۔ مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد، اور مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی کفایت اللہ، حضرت علامہ انور شاہ ؒ کو اپنا بزرگ دوست سمجھتے تھے۔ سردار عبدالرب نشتر سے ان کا آخری وقت تک دوستانہ رہا۔ فرماتے شرافت ان کے خون میں رچی ہوئی ہے۔ بعض لوگوں سے کھچے بھی رہتے تھے۔ مثلاً میاں افتخار الدین لیکن خلاف ایک کلمہ بھی نہ کہتے تھے۔ (میاں افتخار الدین بھی ان سے ملنے کبھی کبھار آجاتے) مولانا احمد علی کا انتہائی احترام کرتے تھے مگر ایک "صاحب قلم" رہنما کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ ان میں علم سے زیادہ رعونت ہے۔ ان کے ذاتی دوستوں میں کئی لوگ تھے مگر راقم الحروف نے جنہیں دیکھا ان میں میاں قمر الدین رئیس اچھرہ سے بڑی محبت رکھتے سلطان فونڈری کے مالکوں کو اپنا جگر سمجھتے۔ حاجی دین محمد اور ان کے بھائی حاجی حبیب اللہ کو اپنی عمر بھر کی کمائی خیال کرتے تھے۔ لاہور میں انہی دو چار گھروں میں ٹھہرتے تھے۔ خان مظہر نواز خاں سدوزئی (ملتان) اور نواب زادہ نصر اللہ خان خان گڑھی ان کے جماعتی رفیق بھی تھے۔ مگر ان کے ساتھ ان کی دوستی کا علاقہ انتہائی مستحکم تھا۔ فرماتے ان دونوں کی رگوں میں شریف خون دوڑ رہا ہے۔ میں ان کی محبت سے لدا ہوا ہوں۔ ڈیرہ غازی خان کے حکیم غوث محمد جامپوری خاص خادموں میں سے تھے۔ محمد شریف (درزی) امرتسر سے ان کا خیاط تھا آج کل گوالمنڈی لاہور میں دکان کرتا ہے۔ (شاہ جی کے فرزند سید ابو ذر بخاری کے بچپن کے دوست) مگر اس سے یہاں تک دلی لگاؤ تھا کہ ملتان میں اسے کپڑے سلوانے کے لئے بلا بھیجتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجلس احرار اوڑھنا بچھونا تھی۔ چودھری افضل حق مرحوم کو مہاتما جی مظہر علی بھائی، حسام الدین کو عزیز بھائی، قاضی احسان احمد کو بیٹا، مولانا غلام غوث کو محترم بھائی اور مولانا حبیب الرحمٰن کو شاہ عنایت سمجھ کر مخاطب ہوتے تھے اور خود بلھے شاہ کہلاتے۔ پاس اتنا تھا کہ ایک دفعہ کا استوار کیا ہوا رشتہ سنگین سے سنگین مرحلے میں بھی نبھاتے چلے جاتے اور دل پر کبھی کوئی میل نہ لاتے۔ دوستوں کے لئے صلیب پر بھی چلے جاتے مگر خود کسی دوست کو صلیب پر چڑھتے ہوئے نہ دیکھ سکتے تھے۔ ان کے دل و دماغ کی سطحیں اتنی بلند تھیں کہ متکبروں میں سے سب سے بڑے متکبر تھے۔ اور عاجزوں میں سے سب سے بڑے عاجز۔ ان کے عظیم اوصاف میں سے ایک وصف یہ تھا کہ دوستوں کے سامنے جھک جاتے اور دشمنوں کے سامنے تن جاتے تھے اور پھر کوئی سا بوجھ بھی ان کی سیسہ پلائی ہوئی گردن کو دبا نہیں سکتا تھا۔

شکوہِ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی

شاہ جی نے شاعری میں اتنا شستہ و رفتہ مذاق پایا تھا کہ شاذہی کوئی خطیب کسی زمانہ میں ان کا ہم پایہ ہو۔ ان کی خطیبانہ دلکشی کا ایک سبب یہ تھا کہ وہ عربی فارسی، اردو، اور پنجابی بلکہ علاقائی شاعری کے باکمال اساتذہ کے دواوین سے آشنا تھے۔ عرب شعراء کے ایک تہائی دیوان انہیں نوک زبان تھے فارسی کا کوئی شاعر ایسا نہ ہوگا۔ کہ شاعر ہو اور ان کے حافظہ میں نہ ہو۔ اردو میں ولی دکنی سے لے کر اس دور میں قیوم نظر تک کے تیر و نشتر ان کے حجلۂ گفتار میں رہتے تھے۔ پنجابی شاعروں میں انہیں وارث شاہ، فضل شاہ، علی حیدر، سلطان باہو، پیر مہر علی شاہ، بلھے شاہ، خواجہ غلام فرید حتیٰ کہ اس زمانے کے استاد عشق لہر اور استاد شرم تک کے کلام کا وافر حصہ یاد تھا اور تو اور وہ دوسخنے اور ماہیئے، ثقہ سے ثقہ موضوع اور نازک سے نازک مضمون میں اس طرح کھپا جاتے تھے کہ انسان نہ صرف ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا بلکہ دماغ کی ایک پھریری کے ساتھ عش عش کر اٹھتا تھا۔ بسا اوقات ایک متبدل سا مصرعہ، آوارہ سا دوسخنہ اور پست سا ماہیا دینی مسائل کی قبا میں اس کمال سے ٹانکتے کہ تاج کا ہیرا معلوم ہوتا۔

پنجاب کے ایک دور افتادہ گاؤں میں تقریر کر رہے تھے۔ موضوع تھا معراج النبی، ٹھیٹھ پنجابی میں بیان کرتے چلے گئے۔ فرمایا حضور عرش کو چلے تو کائنات تھم گئی، اب تھم گئی کو پنجاب میں سمجھانا شروع کیا کہ رک گئی، پھر فرمایا ٹھہر گئی۔ لوگوں سے پوچھا کہ سمجھے؟ زیادہ تر سر نفی میں ہلے۔ کروٹ لیتے ہوئے فرمایا۔
میرے ہالیو (ہل جوتنے والو) اللہ کا محبوب عاشق کے گھر کو چلا تو حسن و جمال کے اس پیکر متحرک کو دیکھ کر کائنات تھم گئی ٹھہر گئی رک گئی۔ (تسی حالی دی نئیں سمجھے تو تہانوں سمجھاناں)

تیرے لونگ دا پیا لشکارا
تے ہالیاں نے ہل ڈک لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس خوش آواز سے پڑھا کہ مجمع لوٹ پوٹ ہو گیا۔ "رب نے کہیا کہ میرا سوہناں آریا اے سے تے زمین و آسمان دی ایس گردش نوں ڈک لوؤ۔ جیہڑے جتھے سن اوتھے دے اوتھے ای ڈک لیتے" جہاں زمین و آسمان تھے وہاں رک گئے فرش سے عرش تک کا سفر طے ہو گیا۔

فرمایا جو کچھ چاہتے ہو مجھے سمجھا دو گالی سے انسان قائل نہیں ہوتا نہ الزام سے فنا ہے اور نہ جھوٹ ہی کو دلیل کیا جاتا ہے۔ مجھے قائل کر لو۔ میں کسی کا لیڈر نہیں میں امیر نہیں مبلغ ہوں۔ یار لوگوں نے شریعت کو نہ ماننے کے لئے مجھے امیر شریعت بنا رکھا ہے لیکن میں امیر نہیں فقیر ہوں۔ میں صرف سپاہی ہوں۔ اللہ کا سپاہی، رسول کا سپاہی، اسلام کا سپاہی، آزادی کا سپاہی، تمہارا سپاہی اور جب تم مجھے سمجھا دو گے پھر مجھے تنہا چھوڑ دو۔ تب میں جانوں اور میدان جنگ جانے، سپاہی میرے، خون میرا، رضا کار میرے، قید ہونا پڑے یا تختہ دار پر لٹکنا ہو تم مجھے ہر اول دستہ میں پاؤ گے گالی نہ دو سمجھا دو۔ (خوش آوازی کے ساتھ)

میری گھگری نوں گھنگھرو لوا دے
جے توں میری ٹور ویکھنی

بس لوگوں کا یہ حال تھا جیسے کسی نے لوٹ لیا ہو۔

فرماتے۔ غالب ہر کوئی پڑھتا ہے میں بھی پڑھتا ہوں لیکن میں ذرا عام روش سے ہٹ کر پڑھتا ہوں۔ یار لوگوں نے اس کی بہت سی شرحیں لکھی ہیں۔ ہر کسے را رنگ و بوئے دیگر است، سوچتا ہوں تو میرے سامنے ان کے مطالب کا رخ ہی دوسرا ہوتا ہے۔ میرا ذہن خود بخود اس کے اشعار کی گتھیاں کھولتا چلا جاتا ہے۔ اور میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ غالب کا نصف دیوان سیاسی ہے۔ اس نے الفاظ کی ریشمی نقابوں میں نہ صرف اپنے عہد دار و رسن اور اپنے زمانہ ادبار و انحطاط کی تصویریں بنائی ہیں بلکہ اشارات کو کنایات میں حالات و واقعات کے دفاتر سمو گیا ہے۔

ایک دفعہ جانے کیا موضوع تھا کہنے لگے۔ بحمد اللہ نفس نے کبھی کوئی جنسی خیانت نہیں کی۔ کسی کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالا۔ کسی کی عصمت کو تاکا نہیں۔ کسی کی عصمت کو گھورا نہیں۔ دوسروں کی طرف نگاہ غیر شعوری طور پر اٹھی بھی تو اپنی عزت یاد آگئی۔

ہم نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

عمر کے آخری برسوں میں عموماً غالب ہی کے اشعار پڑھتے اور سر دھنتے تھے۔ گو ان کے حافظہ پر بیسیوں اساتذہ سخن کے کلام کی راہیں کشادہ تھیں لیکن غالب کے ذکر پر فرماتے ظالم نے دل چیر دیا ہے۔ شیخ حسام الدین ملتان گئے تو بان کی چٹائی پر بیٹھے پان بنا رہے تھے۔ کہنے لگے رات غالب نے کئی گھنٹے بے چین رکھا ہائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کس دن کے لیے کہہ گیا تھا:

بیکسی ہائے تمنا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بیدلی ہائے تماشا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

سبحان اللہ! (آبدیدہ ہوگئے۔)

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں

فرمایا۔ حضرت کا یہ شعر پڑھا تو دنوں تک تڑپتا پھڑکتا رہا۔ پھر عمر بھر لوگوں کو اس سے تڑپایا اور پھڑکایا۔ کئی نعتیہ دیوانوں پر تنہا یہ شعر بھاری ہے۔ گستاخ اکھیں۔ یہاں اس طرح لگی ہیں کہ کائنات کی حیاء کا بوجھ ان پر پڑا ہوا ہے۔ اس شعر پر سوچتے جایئے اور پڑھتے رہیئے۔ معانی کا ایک بازار آراستہ ہوتا چلا جائے گا پھر یہ رونق کبھی اور کسی وقت بھی کم نہ ہوگی۔ میں نے لوگوں کو اس پر ماہیٔ بے آب کی طرح لوٹتے دیکھا ہے۔ بلکہ سیرت کے جلسوں میں لوگوں کی ہیئت کذائی ہی بدل ڈالی ہے۔

غبار خاطر چھپ کر سامنے آئی تو شاہ جی کے حافظے کی بیشمار گرہیں کھل گئیں۔ مولانا آزاد نے کسی خط میں لکھا ہے کہ عمر کے ابتدائی دنوں میں جو کتابیں پڑھی تھیں ان کے ضروری مقامات بقید صفحہ و سطر حافظے میں محفوظ ہیں۔ شاہ جی بھی حافظے کے اسی مقام سے گزرنے لگے۔ ان دنوں برصغیر کے فسادات کا زمانہ تھا۔ گھر یا دفتر میں مجلسیں لگاتے اور اپنے بچپن، لڑکپن اور ابتدائی ایام جوانی کے حافظہ پر نقش اشعار سناتے۔ سعدی، حافظ، نظیری، غالب، غنیمت کنجاہی، غنی کاشمیری، عنصری، شہیدی، ابو طالب حکیم آملی، رومی، گرامی غرض ایک خزینۂ گرانمایہ تھا کہ اس کا ڈھکنا اٹھا دیا ہو۔ اور اشرفیوں کا ڈھیر لگ رہا ہو۔ غالب کی فارسی شاعری کے ایسے ایسے نوادرات کھٹ سے چلے آتے تھے کہ جی جھوم جھوم جاتا تھا۔

اپنی جدوجہد کا ذکر کرتے ہوئے ایک دفعہ پڑھا

اے ہم نفساں، آتشم از من بگریزید
ہر کس کہ شود ہمرہ ما دشمن خویش است

پھر اس کو پلٹایا

گریزد از صف ما آنکہ مرد غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

اور تب مسلمانوں کے اجتماعی مزاج کا ذکر کرتے ہوئے گونج اور گرج کے ساتھ پڑھا۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

یعنی

بوئے گل، نالۂ دل، دود چراغ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

لیکن اب شاہ جی کہاں:

مژدہ باد اہل ریا را کہ زمیداں رفتم

© rasailojaraid.com